مکرمہ صفیہ بشیر سامی صاحبہ

امی جان محترمہ حلیمہ بیگم صاحبہ کی انسان دوستی

امی جان حلیمہ بیگم صاحبہ مرحومہ (اہلیہ شیخ محمد حسن صاحب مرحوم) جو نہایت ہی رحیم، حلیم، مشفق، دعا گو بزرگ ہستی تھیں۔ جو رات کے وقت ہر کروٹ پر کلمہ اور درود کا ورد کرتیں اور دن بھر ان کی زبان کلام محمود یا درثمین کی نظموں سے تر رہتی۔ ایسی ہستی کی خوبیوں کا احاطہ کرنا اتنا آسان نہیں ہے ان کی زندگی پر تو جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ مگر آج میں صرف ان کی رشتے داروں اور اپنے اردگرد کے کچھ لوگوں سے ان کے حسن سلوک پر ہی لکھوں گی۔

امی جان بہت تقویٰ شعار اور خدا سے بے حد پیار کرنے والی بے حد صابر شاکر کبھی کسی کا برا نہ چاہنے والی پیاری ہستی تھیں ہر ایک سے محبت کرنے والی اور جس سے ایک دفعہ تعلق ہو جائے اس کو ہمیشہ نبھانے والی۔ ان کا ایک خاص وصف خدا تعالیٰ پر بہت توکل تھا۔

ان کی شادی جس گھر میں ہوئی وہاں احمدیت کا پودا لگ تو چکا تھا مگر ابھی بہت کمزور تھا۔ کہتے ہیں کہ میری دادی جان نے لندن بیت الذکر کے لئے اپنے کانوں کی بالیاں چندے میں دے دی تھیں اور جب حضرت مصلح موعود لدھیانہ کے سٹیشن سے گزرے تو میری دادی جان نے میرے ابا جان کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر ان کی زیارت کروائی لیکن ان کی بیعت کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ میری دادی جان کی وفات جب ہوئی تو ابا جان اور ان کے سب بہن بھائی بہت چھوٹے چھوٹے تھے۔ ان کے گھر کا شیرازہ بکھر گیا اور میرے دادا اور ایک تایا جی جو احمدی تھے ان کے علاوہ سب نے اپنی اپنی راہ لی۔ جب میرے ابا جان نے احمدیت قبول کی تو میری امی جان کے ساتھ ان کی شادی ہوئی۔ امی جان ایک بہت ہی مخلص رفیق (میاں فضل محمد صاحب ہرسیاں والے) کی بیٹی اور مربیان کی بہن تھیں۔ ان کی شادی سے اس کمزور پودے کی آبیاری شروع ہوگئی اور امی کے رشتے داروں کے ساتھ نیک سلوک کے جو ہر کھل کر سامنے آنے شروع ہو گئے۔ گو کہ گھر کا پورا ماحول احمدیت کا سخت مخالف تھا مگر امی جان کے حسن سلوک نے سب کے دل جیت لئے میری امی اس گھر کی مشیر ہو گئیں، احمدی اور غیر احمدی سب امی کی عزت کرتے اور راہنمائی حاصل کرتے۔

ابا جان کی ایک پھوپھی حاجن تھیں جن کے گھر میں بہت عزت کی جاتی تھی اور وہ احرار کے لیڈر عطاء اللہ شاہ بخاری کی بہن بنی ہوئی تھیں، وہ میری امی کی شدید مخالفت کرتی تھیں بلکہ میری امی کو سختی سے منع تھا کہ جب وہ گھر ملنے کو آئیں تو حلیمہ میرے سامنے نہ آئے (میری امی کا نام حلیمہ تھا) مگر میری امی ان کو ہمیشہ گھونگٹ نکال کر سلام کرنے آجاتیں۔ کیونکہ ان کو زندگی میں یہ ہی سبق ملا تھا کہ ”گالیاں سن کر دعا دو پا کے دکھ آرام دو۔“

ہر ایک کی مدد کرنا ان کا شیوہ تھا، کسی کا دکھ یا تکلیف ان کی برداشت سے باہر تھا کسی کی کوئی ضرورت ہو اور میری امی کے علم میں آجائے تو اس کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔ ابھی ان کی شادی کو تین چار سال ہی گزرے تھے کہ میرے ایک چچا نے افریقہ جانا تھا اور رقم کی اشد ضرورت تھی، جس کے لئے میرے چچا بہت پریشان تھے جب کہ میرے ایک تایا اور چچا پہلے سے ہی افریقہ میں موجود تھے جیسے ہی میری امی کو علم ہوا تو انہوں نے اپنا سارا زیور بیچ کر ان کی مشکل حل کر دی، میرے چچا نے بھی بھابی کی اس نیکی کو ہمیشہ یاد رکھا اور اپنے بچوں کو اس طرح کی نیکی کرنے کی تاکید کرتے رہے۔

امی اپنے نام کی طرح دل کی بھی حلیم تھیں، جب ہم ربوہ میں چھوٹے سے ایک کمرہ کے گھر میں رہتے تھے ساتھ میں ایک چھوٹا کچن تھا۔ اس گھر میں ہم پانچ بہن بھائی اور امی سمیت چھ افراد کا کنبہ رہتا تھا۔ میری ممانی کی بہن کی دو بیٹیاں جو سیالکوٹ سے ربوہ تعلیم کی غرض سے آئی ہوئی تھیں ان کو رہائش کی بہت مشکل تھی۔ ان دونوں بہنوں کو اپنے گھر لے آئیں۔ اب میں ان دونوں بہنوں کے تاثرات لکھتی ہوں۔

وہ کہتی ہیں ہم دونوں بہنیں ربوہ میں اپنی بڑی بہن کے پاس جو کہ درویش کی بیوی تھیں، پڑھنے کے لئے سیالکوٹ سے آئیں۔ وہ کہتی ہیں میں ساتویں جماعت میں اور دوسری چھوٹی بہن چھٹی جماعت میں تھی۔ جب میری آپا قادیان واپس چلی گئیں تو ہمارے لئے رہائش کا مسئلہ درپیش ہوا، کوئی بڑا نہیں تھا جس کے پاس ہم رہتے۔ ہماری خالہ کے بچے آپ کی امی کے بھائی کے بچے تھے ان کی پھوپھی لگتی تھی اور ہم نے بھی پھوپھو ہی کہنا شروع کر دیا وہ ہمارے ساتھ بہت محبت کرتیں اور ہمیں اپنے بچوں کی طرح ہی سمجھتی تھیں۔ جب ان کو یہ علم ہوا کہ ہماری بہن کے قادیان جانے کے بعد ہمیں رہائش کی مشکل ہے، تو پھوپھی جان ہمیں اپنے گھر لے گئیں۔ پھوپھا جان یا اور کوئی مرد تو گھر میں تھا نہیں پھر ہم دونوں بہنیں ان کے گھر چلی گئیں، پھوپھی جان نے ہمارا ہر طرح سے خیال رکھا، اور ہمیں خوش رکھنے کی کوشش کی کہ ان کو ہمیشہ یہ احساس تھا کہ ان کی ماں ان کے پاس نہیں ہے، ہماری ہر خوشی کا خیال رکھا، جب ہم سکول جاتے تو پہلے ہمیں ناشتہ دیتیں بعد میں اپنے بچوں کو دیتیں، وہ بہت حساس ہمدرد پیار کرنے والی خاتون تھیں۔ ہم ان کا پیار اور خلوص کبھی نہیں بھول سکتے۔

امی بے حد ذہین و فہیم تھیں انسان کو دیکھ کر اس کی شناخت کر لیتیں علم دوست تھیں۔ میری ماموں زاد بہن کو شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد چھ ماہ کی بچی کی ماں کو طلاق دے کر گھر بھیج دیا اور بچی کو خود رکھ لیا۔ جہاں یہ غمناک حادثہ میری کزن کے لئے پریشانی کا باعث تھا وہاں ساری فیملی بھی بہت دکھی تھی۔ میری کزن کا اکثر ہمارے گھر آنا ہوتا اور جب بھی وہ آتیں ہم سب اس کے دکھ سے بہت دکھی ہو جاتے، میری امی نے اس کا یہ حل نکالا کہ ان کی ہمت بڑھائی اور اپنی تعلیم مکمل کرنے کا مشورہ دیا ان دنوں دسویں کے داخلے جا رہے تھے اس کو داخلے کی تاکید کی، کیونکہ وہ مالی لحاظ سے بھی کمزور تھیں، ان کی انا کو بھی ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی تھیں امی نے کہا کہ تم اپنی بہن کو جس نے مڈل کا امتحان دینا تھا اس کو ٹیوشن پڑھانی شروع کر دو (یعنی میری بڑی بہن) اس طرح انہوں نے اپنی تعلیم مکمل کر لی وہ بہت خوش ہیں آج وہ کہتی ہیں کہ میں پھوپھی جان کی دعائیں اور نیکی کبھی نہیں بھول سکتی۔

ربوہ میں شروع شروع کے ایام کی بات ہے غربت ہم سب کے اردگرد تھی مگر پھر بھی جو احاطہ کے سامنے ہمارا ایک کمرے کا کچا سا گھر تھا (جو غالباً اس وقت کے لحاظ سے ڈیڑھ یا دو سو روپے میں خریدا تھا) چھوڑ کر اس سے نسبتاً بہتر گھر میں منتقل ہو گئے، اسی دوران میرے ایک ماموں گجرات سے اپنی نئی نویلی دلہن کو لے کر ربوہ پہنچ گئے۔ رہنے کو کوئی جگہ نہ تھی اور کوئی کام بھی نہ تھا وہی گھر میری امی جانے نے ان کو دیا انہوں نے وہاں دودھ وغیرہ کی دوکان کھول کر اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا۔ میرے ماموں اور ممانی امی جان کے شکر گزار رہے ہیں کہ ہماری بڑی بہن ہمیشہ ہماری مشکل گھڑی میں کام آتی رہیں۔

امی جان لندن سے پاکستان ربوہ گئی ہوئی تھی کہ ان کو اپنے بھائی کی بیماری کا علم ہوا جو قادیان میں درویش تھے۔ (عبدالرحیم صاحب درویش) امی اپنے بھائی کی تیمارداری کے لئے قادیان چلی گئیں۔ امی کے ساتھ ان کا ایک بھتیجا اور بھتیجی بھی گئے تھے امی کچھ دن رہ کر واپس آگئیں۔ امی کے آنے کے کچھ عرصہ بعد ماموں جان زیادہ بیمار ہو گئے اور گکڑ چیرٹی ہسپتال امرتسر میں داخل ہو گئے، اب پاکستان سے کوئی اور نہیں جا سکتا تھا کہ اتنی جلدی ویزے کی مشکل تھی میری امی کے پاس برٹش پاسپورٹ تھا میری امی دوبارہ اپنے بھائی کی تیمارداری کے لئے گکڑ چیرٹی ہسپتال امرتسر چلی گئیں۔

اس نامساعد دور میں بھی ہمارے گھر بجلی کا پنکھا لگا ہوا تھا اور ہمارے گھر میں چھوٹے بھائی کے علاوہ کوئی مرد نہیں تھا اس لئے محلے کی عورتوں کو ہمارے گھر آنے میں کوئی دشواری نہیں تھی۔ امی کھینچ کھینچ کر اپنی سہیلیوں کو بلاتیں کہ آؤ اور دوپہر پنکھے کے نیچے گزارو۔ کبھی کبھی تو سہیلیاں آتیں اور جانے کا نام نہ لیتیں ہماری امی تو ثواب کما رہی ہوتیں۔ مگر کبھی کبھی میرا چھوٹا شرارتی بھائی امی کے کان کے پاس آ کر کہتا امی خالہ کب گھر جائیں گی۔ گھر میں فریج تھا اس میں پانی رکھتیں اور برف بنا بنا کر کوشش کرتیں کہ ہر ایک کو برف مل جائے۔ ہمارا گھر کالج روڈ پر جامعہ احمدیہ کے سامنے ہے جمعہ پر جاتے ہوئے بہت سارے لوگ ہمارے گھر کے آگے سے گزرتے گرمیوں میں خاص طور پر جمعہ والے دن پانی کا حمام برف ڈال کر باہر رکھ دیتیں تاکہ لوگ گرمی میں پانی پی سکیں لوگ پانی پیتے اور دعائیں دیتے ہوئے گزر جاتے۔

ہمسائیوں کے ساتھ تو ہمسائیوں والا سلوک ہی نہیں تھا۔ اپنوں سے بھی زیادہ پیار تھا۔ دونوں طرف والے ہی ایسے تھے جیسے ایک ہی گھر ہو ہمارے گھر کیا پکا ہے اور ساتھ والوں کو بھوک لگی ہو تو کوئی مشکل نہیں۔ جب جس کا دل چاہا دیوار پر اینٹ کھڑکھڑائی اور آواز آتی خالہ جی کیا پکایا ہے بہت بھوک لگی ہے اور خالہ جی تیار بیٹھی ہوتیں دینے کے لئے۔ کھانا پکانے سے پہلے ہی یہ سوچ کر کھانا بنتا تھا کہ ہمسایوں کا بھی اس کھانے میں حق ہے۔ ہمسائے ہمارے ہمسائے نہیں بلکہ ہم سب ایک کنبہ کی طرح رہتے تھے ہمارے سب دکھ سکھ ایک تھے۔ الحمدللہ۔ آج میں یہ پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ مجھے نہیں یاد کہ کبھی کوئی امی کے پاس حاجت مند آیا ہو اور اس کی حاجت پوری نہ ہوئی ہو۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔

امی پیار و ایثار کا دامن ہر وقت تھامے رہتیں۔ ہماری ایک بہت ہی عمر رسیدہ ہمسائی جو آنکھوں کی بینائی سے محروم تھیں اپنے گھر والوں سے بہت دکھی رہتی تھیں اکثر اپنے گھر سے نکلتے ہی آواز دینا شروع کر دیتیں (بسم اللہ) امی کو وہ اس نام سے ہی پکارتی تھیں، گھر کے اندر آتے ہی ان کی فرمائشیں شروع ہو جاتیں، پہلے کھانا کھاتیں پھر ہم سب کے آگے اپنا سر کرتیں کہ بہت خارش ہو رہی ہے میرے بالوں کو صاف کرو غرض ان کی عمر کا لحاظ کرتے ہوئے وہ جو بھی کہتیں ہمیں کرنا ہوتا تھا۔ اور جاتے ہوئے جو وہ دعائیں دیتیں میری امی کو ہر کام کا صلہ مل جاتا۔

امی طاقتور جذبوں سے شکست نہ ماننے والی روح اور صبر سکون کا مجموعہ تھیں، حالات سے لڑنے کی بے پناہ توانائی تھی، بے حد حوصلہ تھا، وہ ہمیشہ نہایت پُرسکون نظر آتی تھیں۔ 1974ء میں جب

ہماری جماعت پر مشکل وقت آیا تو ربوہ کی نسبت باہر کی جماعتوں کو زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا زیادہ تر لوگ اپنے مرکز کی طرف رخ کر رہے تھے باقی لوگوں کی طرح چنیوٹ میرے سسرال والے بھی مشکلات میں گھر گئے اپنا تمام گھر بار کھلا چھوڑ چھاڑ کر ربوہ میں سیدھے امی کے گھر آ گئے۔ دس بارہ افراد کا کنبہ شروع شروع میں تو امی کا گھر ہی لنگر خانہ بنا رہا گھر میں کھانا پکایا جاتا تھا۔ مگر دو ماہ کا لمبا عرصہ رہنا پڑا تو کھانا گھر بھی بنتا اور کچھ کھانا لنگر خانہ سے لے کر آتے مگر امی نے ان کی رہائش اپنے گھر ہی رکھی۔

خوبصورت شخصیت کی مالکہ تھیں۔ میرے شوہر جب لندن آ گئے تو ان کے بعد دو سال مجھے پاکستان میں رہنا تھا، وہ دو سال کیسے گزرے میری امی اور میری بہنوں اور بھائی نے میرے بچوں کو باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی، میرے بچوں اور میرے لئے وہ دن یادگار دن بن کے رہ گئے ہیں۔

اب میں ایک ایسا واقعہ لکھتی ہوں جو شاید ہی کسی کے ساتھ پیش آیا ہو۔ یہ ربوہ میں شروع شروع کا واقعہ ہے جب کہ ٹائلٹ میں نہ فلش سسٹم تھا اور نہ ہی کموڈ وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ ٹوکری لے کر جمعدارنی آتی تھی اور گند وغیرہ اٹھا کر لے جاتی تھی۔ ہمارے ہاں بھی ایسے ہی تھا۔ ہماری جمعدارنی ماں بننے والی تھی ہماری امی جان کو علم تھا، ہم بچے یہ سب کچھ نہیں جانتے تھے، کیونکہ اس زمانہ میں بیٹیوں کے سامنے ایسی باتیں نہیں کی جاتی تھیں۔ مگر ہم دیکھتے تھے کہ ہماری امی جمعدارنی کا اتنا خیال کیوں رکھتی ہیں ہر اچھی چیز امی اس کے لئے پہلے نکال کر رکھتیں۔ آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امی نے اس کو کہنا شروع کر دیا کہ اب تم نہ آیا کرو بلکہ اپنے شوہر کو بھیجا کرو مگر وہ خود ہی آتی رہی۔ ایک دن جب وہ بالکل آخری دنوں میں تھی وہ ٹوکری اٹھانے لگی۔ سنبھال نہ سکی ساری کی ساری ٹوکری اس کے اوپر گر گئی۔ وہ پوری کی پوری گند سے بھر گئی اس نے سارا کوڑا اکٹھا کیا اور امی جان نے اس کی مدد کی اور وہ یہ الفاظ کہتی رہی بی بی پیچھے ہو جاؤ آپ کو گند لگ جائے گا۔ امی جان نے اسی وقت میرے چھوٹے بھائی کو اس کے گھر بھیجا اور خود اس کو پانی سے نہلایا اور اپنے کپڑے نکال کر دیئے اور گرم گرم چائے بنا کر دی۔ جب تک اس کے گھر سے اس کو کوئی لینے نہیں آیا اس کو آرام کروایا وہ کہنے لگی بی بی اگر میں اور کسی کے گھر میں ہوتی تو نہ جانے میرے ساتھ کیا سلوک کرتے۔

انشاء اللہ ہمارے اللہ تعالیٰ کو امی کی یہ ادا بھی پسند آئے گی۔ وہ ہے امی جان کا بے شمار بچوں کو قرآن مجید پڑھانا، صبح شام دونوں وقت بچے پڑھنے کے لئے آتے تھے، بچوں کو اور پھر ان کے آگے بچوں کو بھی پڑھایا ان کا پڑھانے کا انداز بھی نرالا تھا بجائے ڈانٹ ڈپٹ کے ٹافیاں اور میٹھی گولیاں رکھی ہوتیں بچے شوق سے پڑھ کر جاتے۔

ابا جان کو قرآن مجید پڑھایا اپنے پوتے اور پوتیوں کو قرآن مجید پڑھاتے ہوئے ہمیشہ اپنی زندگی کے لئے دعا مانگتی تھیں کہ اللہ مجھے اتنی زندگی دے دے کہ میں اپنے بیٹے کے بچوں کو قرآن مجید پڑھا دوں۔ الحمدللہ ان کی یہ خواہش بھی اللہ نے پوری کی اور چاروں بچوں کو امی جان نے قرآن مجید پڑھایا۔

انتظار میں ہوتیں کہ کب ان کو حقوق اللہ یا حقوق العباد کی توفیق ملے۔ اگر امی رشتہ داروں اور دوسرے لوگوں سے احسن طریقہ سے پیش آتی تھیں تو وہ اپنے بچوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہوں گی۔ ہمارے ابا جان ہمیشہ پاکستان سے باہر رہے۔ خداتعالیٰ پر توکل اتنا۔ کبھی لوگوں کی کہی کہلائی باتوں پر یقین نہیں کرتی تھیں۔ ابا جان 17 سال افریقہ میں رہے کبھی سات سال بعد یا چھ سال بعد آتے۔ لوگ امی کو کہتے وہاں انہوں نے شادی کر لی ہوگی۔ مگر ہماری امی کی زبان پر کبھی شکوہ یا دل شکنی نہیں ہوئی امی ابا جان کا آپس میں پیار اور اعتماد کا رشتہ تھا جو ان کو کبھی کمزور نہیں ہونے دیتا تھا۔ وہی پیار اور اعتماد ہماری امی نے ہمیں سکھایا۔ ہمیشہ ہمارے اوپر اعتماد کیا اور بھروسہ کیا۔ ہماری پرورش میں ہماری امی نے انتھک محنت کی۔ بغیر کہے دل کی بات جان جاتیں دنیا بھر کی آسائشیں فراہم کرنے کی کوشش کرتیں۔ اپنی بیماری کا بھی خیال نہ کرتیں۔ اس زمانہ میں بھی باپ کی غیر موجودگی میں بچوں کو پالنا کوئی آسان بات نہیں تھی بچوں کی تربیت کا خیال ان کی پڑھائی اور باہر کی دنیا سے محفوظ رکھنا وغیرہ۔ بے جا روک ٹوک نہیں کرتی تھیں مگر دین کے معاملہ میں کبھی نرمی نہیں کرتی تھیں۔ نمازوں کی پابندی ناصرات یا لجنہ کے پروگراموں میں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتیں بلکہ ناصرات کے اجلاس تو ہوتے ہی ہمارے گھر تھے۔

میں امی کی کون کون سی بات یاد کروں وہ ہمارے لئے سب کچھ تھیں۔ ان کی دعائیں قدم قدم ہمارے ساتھ ہیں۔ جب ہم سب کی شادیاں ہو گئیں تو (22) سال بعد امی ابا جان کے پاس لندن آ گئیں۔ امی ابا جان نے ایک دوسرے کی بے حد عزت کی، خدمت کی، ایک دوسرے سے تعاون، محبت ہمدردی، احترام و تکریم اور ایثار کا ایک نمونہ بنے رہے یہ کہوں تو سچ ہوگا کہ ان کو دیکھ کر رشک آتا تھا ماشاء اللہ۔ دونوں کی زندگی بہت جفاکشی اور قربانیوں والی گزری ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں اللہ وہاں بھی دونوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا کرے ہمارے لئے جو کچھ بھی اس دنیا میں کیا ہے اللہ ان کو اجر عظیم عطا کرے۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم ان سب باتوں پر عمل کرنے والے ہوں جو ہمیں وہ سکھا کر گئے ہیں۔ آمین

بنگلہ (Bangla) ...

مکر...

1969ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث
بنگلہ زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کے
ایک کمیٹی تشکیل فرمائی تھی جس کے اراکین ح
ذیل تھے۔

محترم مولوی محمد صاحب (سابق امیر جما
بنگلہ دیش)، محترم چوہدری مظفر الدین صا
(ربوہ)، محترم مولانا عبدالعزیز صاحب ص
(مربی سلسلہ)

ترجمہ کے کام کا آغاز ہوا لیکن جلد ہی 71
کی جنگ کی وجہ سے سارا کام رُک گیا۔ بالآخر
یہ کام 1979ء سے شروع ہوا۔

بنیادی طور پر یہ ترجمہ حضرت ملک غلام
صاحب کے انگریزی ترجمہ و تفسیر سے لی
ہے۔ مکرم مولوی محمد صاحب اور مکرم مولانا عبدا
صادق صاحب نے متن کا ترجمہ کیا۔ اس سلسل
مکرم چوہدری مظفر الدین صاحب سابق مدیر ما
ریویو آف ریلیجنز نے بھی مدد کی۔ جبکہ تف
نوٹس کے ترجمہ کا کام مکرم مقبول احمد خان صا
اور مکرم اے ٹی ایم حق صاحب نے سرا
دیا۔ سورتوں کے تعارفی نوٹس کے ترجمہ کا کا
پروفیسر امیر حسین صاحب نے کیا اور مکرم مقبول
خان صاحب نے انگریزی انڈیکس اور ببلیوگرا
بنگلہ میں ترجمہ کیا۔ عربی عبارت یعنی اصل متن
ساتھ ترجمہ کو پھر سے ملا کر چیک کرنے کا کا
مولانا احمد صادق محمود صاحب اور مکرم مولانا اعجا
صاحب نے سرانجام دیا۔ بنگلہ ترجمہ اور تفسیری
کی نظر ثانی کا کام مکرم محمد خلیل الرحمان صا
(سابق نائب امیر بنگلہ دیش) نے انجام دیا۔
کی تیاری اور پروف ریڈنگ کا کام مکرم مولوی
الرحمان صاحب اور مکرم مولانا عبدالعزیز ص
صاحب نے کیا۔ اس کے علاوہ مکرم محمد مصطف
صاحب، مکرم الحاج ڈاکٹر عبدالصمد خان چو
صاحب، مکرم پروفیسر شاہ مستفیض الرحمٰن صاحب
مکرم الحاج احمد توفیق چوہدری صاحب نے بھی مخ
حیثیتوں سے ترجمہ کے کام میں معاونت کی اور
مفید مشوروں سے نوازا۔

195X245/80 سائز کے 1443 صفحا
مشتمل بنگلہ ترجمہ قرآن کریم کا پہلا ایڈیشن جما
احمدیہ کی صد سالہ جوبلی کے سال میں جون 89
میں پہلی بار شائع ہوا اور تین ہزار کی تعداد میں ا
طباعت Intercon Associates ڈھاک
پریس میں ہوئی۔ اس پریس کے مالک ایک ا
مکرم محمد تصدق حسین صاحب ہیں۔ انہوں نے
دلچسپی سے بڑی محبت اور اہتمام کے ساتھ طبا